Al-Qawārīr - Vol: 04, Issue: 04,
Jul – Sep 2023

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
Journal.al-qawarir.com

قومی فلاح میں عورت کے کردار کا اشتراکی نقطہ نظر: علی عباس جلال پوری کے افکار کا مطالعہ

Communist view of role women in national welfare: A study of Ali Abbas Jalal Puri's thoughts

Syed Adeel Shah
PhD Scholar, Department of Islamic Studies,
Al-Hamd Islamic University, Islamabad

Madiha Shah
M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies,
Al-Hamd Islamic University, Islamabad

Version of Record
Received: 13-Jul-23 **Accepted**: 10-Aug-23
Online/Print: 27- Sep -2023

ABSTRACT

Women have suffered a lot in every phase of human history. Several laws and religions have taken the status of the female aspect of society according to their certain approach. Even then the issue is still standing on the very severe level of concern. Communism and modern feminism have taken this problem into the consideration and shown a serious concern about it. A multidimensional solution by communist thinkers has been presented in this regard. Professor Ali Abbas Jalal Puri was one of those communist thinkers in Pakistan who has elaborated this way of conduct. In this article, Professor Jalal Puri's thoughts have been discussed and then an analytical response in the light of Islamic teachings has been given. The study shows that the ideas and thoughts of Jalal Puri can partially be accepted in Muslim societies but the solution which the purposes does not match with the teachings of Islam and Islamic code of conduct does not endorse him in full domain.

Keywords: *Feminism, Women, Islam, Communism, Ali Abbas Jalal Puri.*

تعارف

اشتراکی نظریہ حیات نے سماجی فلاح و بہبود میں عورت کے کردار کی جس تعیین کو پیش نظر رکھا ہے اور اردو زبان میں جن متعدد مفکرین نے اس کی توضیحات پیش کی ہیں، ان میں سے پروفیسر علی عباس جلال پوری پیش پیش ہیں۔ یہ جاننا بھی لازم ہے کہ اشتراکی فلسفہ حیات کے تناظر میں خواتین کو سماج کی مشینری کے جس پرزے کا کردار تفویض کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اسلامی بود و باش اس سے کس حد تک توافق یا اختلاف کی حامل ہے۔ اس مقالہ میں انہی مرکزی تصورات کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس ضمن میں پروفیسر علی اقبال جلالپوری کی تحریروں کو بحث کا محور بنایا گیا ہے۔

پہلی مبحث: تہذیبی ارتقاء میں عورت کا کردار

ا. عورت کا تفوق

علی عباس جلالپوری نے انسانی تہذیب کے ارتقاء کا وہی تصور قبول کیا ہے جو غیر مسلم اشتراکیوں کے ہاں مقبول ہے۔ ان کے مطابق انسانی تہذیب کی ابتداء میں جب معاشرہ تشکیل دیا گیا تھا تب معاشرے پر عورت حاکم تھی۔ اس لیے ان چیزوں کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جاتا تھا جنہیں عصرِ حاضر میں اہمیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں بکارت کو غیر ضروری بلکہ مذموم سمجھا جاتا تھا۔ لنگ اور یونی کو بار آوری اور زرخیزی کے علامتی مظاہر سمجھ کر ان کی پوجا بڑے ذوق و شوق سے کی جاتی تھی۔ عورت کو مرد پر سیادت حاصل تھی اور جائیداد و املاک کی وارث بھی وہی تھی[1]۔

مرد شکار میں مصروف تھا۔ اس دوران عورت کی تخلیقی صلاحیت کا جوہر نکھر کر سامنے آیا اور اس نے کاشت کاری کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ یہ انسانی تاریخ کا عظیم ترین اور انقلاب آفریں انکشاف تھا جس کا سہرا عورت کی ذہانت اور کاریگری کے سر ہے[2]۔ اس لیے اسی کو انسانی زندگی کی بقا اور تسلسل کی دیوی کے روپ میں دیکھا جانے لگا تھا۔ انسانی ماں کی طرح وہ بھی بار آوری، تولید اور افزائش کی علامت بن گئی[3]۔

ب. مرد کا تسلط

مرد نے عورت کے ساتھ زراعت میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا اور پھر زراعت میں مرد جسمانی طاقت اور قوت کی بنیاد پر مرد عورت سے آگے نکل گیا کیونکہ عورت جسمانی طور پر کمزور ہونے کے ناتے مرد کے برابر کھیتی نہیں کر سکتی تھی۔ اس صورت حال نے مرد کے ذہن میں یہ خیال پیدا کیا کہ وہ عورت پر فائق ہے اور اس جسمانی تفوق کی بنا پر اس کو عورت پر حاکم ہونا چاہیے۔ عورت محکوم اور قابلِ تبادلہ زر بن گئی چنانچہ زر مبادلہ میں اشیاءِ خور و نوش، کپڑے، دیگر انواع کے ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی خریدنے اور فروخت کرنے کی روایت قائم ہو گئی۔ اس لیے اس عہد کو اشتراکیوں کے ہاں عہدِ اشتمالیت بھی کہا جاتا ہے۔

زرعی انقلاب کے دوران ریاست اور تمدن کی بنیاد رکھی گئی تھی۔اس نے ذاتی املاک کے تصور کو جنم دیا۔مرد نے عورت سے اموال اور املاک کی ملکیت بھی چھین لی جس سے مادری نظام کا خاتمہ ہوگیا اور مرد سماجی و معاشرتی سطح پر قیادت کا حامل ٹھہر گیا تھا[4]۔

اشتراکی مؤرخین اور مفکرین کے مطابق قبیلے میں عائلی امور کی قیادت ابھی بھی عورت کے پاس تھی۔مرد کے لیے لازم تھا کہ اگر وہ عورت کی قربت کا خواہاں ہے تو وہ اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے اظہار کے ذریعے عورت کے دل میں اپنے لیے جگہ بنائے اور اس کو متاثر کرے۔ عورت نے خاندان کے لوگوں کو جوڑ کر ان کے درمیان باہمی یگانگت کا احساس پیدا کیا۔اچھائی وہی تھی جس کو عورت اچھائی قرار دے اور برائی وہی تھی جس کو عورت برائی قرار دے۔عورت کے طے کردہ خیر و شر کے اسی احساس کے زیر اثر دنیامیں خیر اور شر کا مبہم صورت میں ایک ایسا تصور نمود پذیر ہوننے لگا جس نے انسان کے اندر ایک خوبیدہ ہستی کو بیدار کیا جس کو "ضمیر" کہا جاتا ہے[5]۔

ج. عورت کے استحصال کی ابتداء

مرد کے قائد بننے کے بعد زمانے نے نئی کروٹ لی اور دنیا میں مرد شاہی نظامِ معاشرت قائم ہو گیا تھا۔یہ زمانہ زرعی انقلاب کے بعد کا ہے۔جو عورت پہلے مرد پر حاکم تھی،اب وہ نہ صرف مرد کی محکوم بن گئی بلکہ مرد نے اس کو ذاتی املاک کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا[6]۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ دنیا کے قدیم ترین دستیاب دو قوانین یعنی حمورابی کے قانون اور عہد نامہ قدیم کے احکامِ عشرہ میں بیل،گائے، بھیڑ، بکری کی طرح عورت کو بھی مرد کی ذاتی املاک میں شمار کیا گیا ہے[7]۔

> علی عباس جلالپوری کو احساس ہے کہ ان کے پیش کردہ اس نظریہ پر تنقید ہو سکتی ہے اس لیے انھوں نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے دعویٰ کیا ہے کہ آج بھی افریقہ میں کچھ ایسے جنگلات موجود ہیں جن میں آباد قبائل تک معاصر دنیا کی تہذیبی و ثقافتی چکا چوند نہیں پہنچ سکی ہے۔وہاں بھی اگر مرد عورت اس کے ساتھ تخلیے میں جائے تو وہ اس کا احسان مند ہو کر گھر کے کام کاج کر کے اس کا حقِ خدمت ادا کرتا ہے[8]ان علاقوں میں کنواری لڑکیوں کے جنسی ملاپ پر کوئی قدغن نہیں ہے لیکن بیاہتا عورت کی عصمت کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے[9]۔

جب مرد نے اپنی جسمانی قوت اور برتری کی بنیاد پر معاشرے میں تفوق حاصل کر لیا تو اس نے اپنی قوامیت کو قائم رکھنے کی غرض سے عورت کے لیے سماجی و اخلاقی اقدار وضع کیں۔ان اقدار کی تشکیل کا مقصد ایک طرف عورت کو مرد کے ماتحت رکھنا تھا تو دوسری طرف عورت کی ہر اس میدان میں حوصلہ شکنی کرنا تھا جس میں عورت کارہائے نمایاں سر انجام دے کر مرد کے برد آسکتی تھی یا مرد سے آگے نکل سکتی تھی[10]۔

د. عورت کے ساتھ امتیازی سلوک

اب اگر کسی خاندان کا کوئی مرد جرم کرتا تو اس عہد کے حکمرانوں یا بااثر حلقوں کی جانب سے قصور واروں کی مستورات کی برسر بازار شہدوں اور لقوں سے عصمت دری کروائی جاتی تھی۔ عورتوں کو چھاتیوں سے باندھ کر قلعے کی فصیل سے لٹکایا جاتا تھا[11]۔ مرد کے لیے اس زمانے میں عورت "اس کی عورت" بن کر رہ گئی جس سے مرد کی سیادت اور عورت کی غلامی کا آغاز ہوا تھا۔[12] مرد ایک بناوٹی سردار بن گیا اور عورت لاچاری کے گڑھے میں جا گری تھی[13]۔

اب قانون بنانے والے مرد تھے اس لیے ایسے قوانین وضع کیے گئے جن سے مرد کی برتری کا تحفظ مقصود تھا۔ مثلاً مرد زنا کرتا تو وہ محض گناہ تھا۔ عورت زنا کرتی تو وہ ایک سنگین جرم بن جاتا جس کی سزا موت تھی۔[14]۔

مرد شرم ناک ہوس پرستی کے باوجود راست روی اور شرافت کا پتلا بنا رہا اور عورتوں کو مجبوری کی لغزش کی بنا پر مکار، شہوت پرست، دغا باز، ہرجائی وغیرہ کے القابات دیے گئے۔ عورت دشمنی کی روایت مرورِ زمانہ کے سے مذہب، فلسفے، اخلاقیات، عمرانیات اور ادب و فن میں بات پا گئی ہیں۔ اس ضمن میں ساری کتابیں مردوں ہی کی لکھی ہوئی ہیں[15]۔

جلال پوری کے مطابق قدیم زمانے کی شاعری، داستانوں، قصوں، تمثیلوں اور لوک کہانیوں میں عورت کو بے وفا، فریبی اور نفس پرست دکھایا گیا ہے۔ الف لیلیٰ، بہار، دانش، سوکاسپ تتی، مٹی کا چھکڑا سے لے کر چاسر، بوکاکیو، بالزاک وغیرہ کی کہانیوں میں عورتوں کی مکاری کا ذکر مزے لے لے کر کیا گیا ہے[16]۔

ہ. مرد وزن کی رفاقت کے طریقے

ماضی قدیم میں یہ رواج تھا کہ ایک قبیلے کے مرد مسلح ہو کر اچانک کسی دوسرے قبیلے کی قیام گاہ پر دھاوا بول دیتے اور کنواری لڑکیاں اغواء کر لے جاتے تھے[17]۔ بعض قبائل میں تو بیاہ کا طریقہ ہی یہی تھا کہ ایک قبیلے والے اچانک دوسرے قبیلے کی فرودگاہ پر حملہ کر کے ان کی عورتیں اٹھا لاتے تھے۔ ان میں قدیم زمانے کے رومی سبائن قبیلہ پیش پیش تھا[18]۔ ایک افریقی سردار سے ایک پادری نے پوچھا کہ تمہارے خیال میں اچھی بات کون سی ہے اور بری بات کون سی ہے۔ اس نے جواب دیا: "جب میں کسی کی عورت بھگا لاؤں تو یہ اچھی بات ہو گی اور جب کوئی دوسرا میری عورت بھگا کر لے جائے تو یہ بری بات ہو گی[19]"۔

اگر بادشاہ کسی خوش جمال لڑکی کو دیکھتا تو اس کو زبردستی اپنے حرم سرا میں داخل کر لیتا تھا۔ یہ عادت صرف بادشاہوں کے ہاں ہی نہیں بلکہ علاقائی روؤسا اور سرداروں میں بھی عام تھی کہ نو بیاہتہ دولہن کو اس کے شوہر کے پاس بھیجنے کے بجائے پہلے سردار یا رئیس کی خلوت گاہ میں بھیجا جاتا تھا جہاں وہ را بھر اپنی عصمت دری کی اذیت سے دوچار ہوتی تھی اور لوگ اسی کو "شب زفاف کا نام دیتے تھے[20]۔ حکمران کے اس حق کو" حقِ شبِ زفاف " کہا جاتا تھا[21]۔ یہ ظلم صرف سردار یا حکمران ہی

نہیں کرتے تھے بلکہ دیوتاؤں کے مندروں میں بیٹھے ہوئے پروہت بھی اس ضمن میں پیش پیش تھے۔اس لیے اگر کسی باکرہ کا بادشاہ کے بستر کی زینت بننا ممکن نہ ہوتا تو متعلقہ دولہن کی بکارت کا ازالہ علاقائی معبد کے پروہت سے کروایا جاتا تھا[22]۔

و. عورت کے لیے امتیازی قوانین

اگر کوئی عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ معاشرتی روایات کے خلاف جاکر تعلق قائم کرتی تو اس کو اس کے آشنا کے ساتھ قتل کر دیا جاتا تھا۔ عورت صرف اپنے شوہر کی ہی نہیں بلکہ اپنے باپ کی بھی مملوکہ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ باپ سرکش بیٹیوں کو فروخت کر دیتے تھے اور خاوند بد قماش بیوی کو لونڈی کے طور پر فروخت کر دیتا تھا[23]۔یوں عورت زندگی بھر ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے شخص کی جنسی ہوس کے ہاتھوں جسمانی استحصال کے عذاب سے گزرتی رہتی تھی[24]۔افریقہ، جاپان قدیم، چین قدیم، ہند اور اسرائیل میں دختر فروشی کا رواج تھا جس کے تحت والد اپنی بیٹی کی قیمت وصول کرتا تھا۔ ایران کے دیہات میں آج بھی ماں شیر بہا یعنی اس دودھ کی قیمت دولہا سے وصول کرتی ہے جو اس نے اپنی بیٹی کو پالا یا تھا۔بروہی قبیلے میں اس قیمت کو شیر پیلی کہتے ہیں اور باپ جو قیمت اپنی بیٹی کی وصول کرے اسے لپ کہا جاتا ہے[25]۔یہودی بیویوں خریدا کرتے تھے۔انقلاب سے پہلے چین میں قحبہ خانوں کے مالک غریب ماں باپ سے سستے داموں ان کی بیٹیاں کرید لاتے تھے اور ان کی کمائی کھاتے تھے[26]۔

دوسری مبحث: خواتین کے جنسی استحصال میں مذہبی طبقات کا کردار

ا. اصنام پرست مذاہب

جلالپوری نے ان مذہبی سرگرمیوں کو عورتوں کے استحصال کی خطرناک ترین صورت کے طور پر پیش کیا ہے۔انھوں نے قدیم مصر، بابل، فنقیہ، یونان، ہندوستان اور روم کی مثالیں پیش کی ہیں جہاں دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ دیویوں کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔ان میں اسیس، افرودائتی، وینس اور اماوغیرہ معروف ہیں۔ان دیویوں کی پوجا اور ان کے مندروں کا قیام ایک ایسی روایت کا پیش خیمہ ثابت ہوا جس نے عورت کو مذہب اور معاشرے کے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان بناکر پیش کر دیا تھا کیونکہ جہاں مندر بنائے جاتے تھے وہاں کے گردونواح میں رہنے والے لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ان مندروں کی خادمائیں بناکر مستقل طور پر وہاں جاکر چھوڑ آتے تھے۔ یہ جوان لڑکیاں انہی مندروں میں رہتی تھیں اور وہاں طرح طرح کی خدمات سر انجام دیتی تھیں[27]۔

والدین ان کو چڑھاوے کی بھینٹ چڑھا آتے تھے لیکن مندروں میں بیٹھے ہوئے پروہت ایک طرف خود ان کی عزتوں اور عصمتوں کو دن رات لوٹتے تھے[28] اور دوسری جانب ان سے جسم فروشی کا دھندا کرواتے تھے۔ان دیوداسیوں کے وجود کے سبب مندروں میں رونق لگی رہتی تھی۔ جنسی ہوس کے مارے ہوئے مرد جوش و خروش سے ان مندروں کا رخ کرتے اور

چاندی کے چند سکے پروہت یا پنڈت کے ہاتھ میں تھما کر ان لڑکیوں میں سے اپنی پسند کی لڑکی کے ساتھ خلوت اختیار کر لیتے تھے۔اس کمائی سے پروہتوں کے خزانے بھرتے جاتے تھے[29]۔ خزانے میں ترقی اور مال کی بڑھوتری کو دیکھتے ہوئے برصغیر کے بعض حکمرانوں نے ایسے مندروں اور دیگر قحبہ خانوں کو اپنے اختیار میں لے لیا اور ان سے حاصل ہونے والی کمائی کو پولیس اور فوج پر خرچ کرنا شروع کر دیا تھا[30]۔

کئی دیو داسیاں بلوغت کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی درندہ صفت برہمنوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی تھیں اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی تھیں[31]۔ یہاں آنے والے یاتری انہی دیویوں کے نام پر پیسے دے کر دیوداسیوں سے تمتع کرتے تھے۔ گوتم بدھ، کنفیوشش اور بنی اسرائیل کے پیغمبر یسعیاہ نے ایسے ہی پروہتوں کے گھناؤنے پردے چاک کیے تھے[32]۔ معاشرے میں ارتقاء واقع ہوا تو فصل کاٹنے کے موقع پر پروہتوں نے مندروں پر میلے لگائے اور ان میں مرد و زن مخلوط رقص کرتے تھے۔ ان مذہبی دیواسیوں کی قربت کے متمنی مرد اس موقع پر بھی مندروں کے خزانوں میں اضافے کا باعث بنتے تھے[33]۔جلالپوری کے مطابق یہودیت اور عیسائیت نے اس جنسی بے راہ روی کا سدِ باب کیا لیکن اس کوشش میں عیسائیت ایک دوسری انتہا پر جا کھڑی ہوئی[34]۔

اس منفی طرزِ سلوک کی بنیاد دراصل وہ افکار اور فلسفے تھے جو اپنے عہد کے ذہین دماغوں کی جانب سے حکمران طبقے کے سامنے پیش کیے جاتے تھے۔ یونان کو انسانی تاریخ کی اولین تہذیبوں میں شمار کیا جاتا ہے جس میں عورت انتہائی آزاد ہونے کے ساتھ ساتھ نفریں کا شکار بھی تھی۔ جلال پوری نے اس پہلو کو بھی پیش کیا ہے کہ افلاطون، جس کے افکار نے چہار دانگ عالم مقبولیت حاصل کی ہے، آواگون کا قائل تھا۔ اس نے روح کے چکر ویو کا ذکر کرتے ہوئے انتہائی تحقیر کے ساتھ کہا ہے کہ موت کے بعد نیک یا بداعمال کی رعایت سے انسانی روح نئے قالب میں جاتی ہے۔ مثلاً احمق کی روح مچھلی کے قالب میں ہو جاتی ہے اور بدی کرنے والے کی روح عورت کا روپ دھار لیتی ہے[35]۔

ب. اربابِ کلیسا کا کردار

علی عباس جلالپوری نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ جب عیسائیت روم کا سرکاری مذہب بن گیا، تب رومی کے حکمرانوں یعنی قیاصرہ نے اپنی جغرافیائی حدود میں موجود ان زیادہ تر مندروں کو منہدم کروا دیا جن میں بے حیائی فروغ پا رہی تھی۔ اس کے بعد مسیحی ارباب مذہب نے عورت اور مرد کے جنسی تعلق کو اعتدال اور موزونیت سے ہمکنار کرنے کے بجائے اس تعلق کو انتہائی کراہت امیز قرار دیا بلکہ مقدس جیروم نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جو کنواری لڑکی جنسی ملاپ کے بارے میں سوچے گی، اس کے سوچنے سے ہی اس کی بکارت ضائع ہو جائے گی[36]۔

اس عہد میں عورت کے ساتھ محبت والفت کے جذبات قائم کرنے سے بھی گریز کیا جاتا تھا۔ علی عباس جلالپوری کے مطابق "تاریک زمانوں کے دوران میں یورپ میں ایک بھی عشقیہ نظم نہیں کہی گئی کیونکہ ایک تو عشقیہ شاعری مذہبا ممنوع تھی اور دوسرے یورپ کی اجذ، وحشی اقوام جذبہ عشق کی لطافت اور حسنِ نسوانی کی قدر و قیمت سے ناآشنا تھیں۔ چنانچہ گیارہویں صدی سے پہلے یورپ میں رومانی عشق ناپید تھا[37]۔ اس کے باوجود مسیحی معاشرے میں خواتین کی محبت کا دم بھرنے والوں نے ان کے دلوں میں جگہ بنانے اوران کو متاثر کرنے لیے بڑے معرکے سر انجام دیے تھے۔

اس ضمن میں جلالپوری لکھتے ہیں کہ

> " نائٹ عام طور پر کسی اونچے خاندان کی دوشیزہ سے محبت کا دعویٰ کرتے اور اس کے رومال کو نشان بنا کر جنگی اکھاڑوں میں اترتے تھے۔ برطانیہ کے شاہ آرتھر کی ملکہ گینور اور سر لانسیلائٹ کا رومان اسی ضمن میں مشہور ہے[38]"۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: "مرور زمانہ سے تحریک جوان مردی سے مسلک نسائیت نے جنم لیا یعنی عشق میں عورت کی پرستش مشمول ہوئی۔ عشاق اپنی محبوبہ کی ادنی کی خواہش کی تکمیل کو بھی فرضِ عین سمجھتے تھے۔اس کے دیے ہوئے رومال کا پھریرا اپنے نیزے کے سرے پر لہرا کر اکھاڑوں میں اترتے تھے۔اس مسلک میں عورت کو ایک مافوق الطبع مخلوق تسلیم کیا جاتا تھا اور نہایت پرجوش انداز میں اس سے اظہار عشق کرتے تھے[39]۔

یہاں جنگی سورماؤں کا عورت کے بارے میں نظریہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ان کے ہاتھوں مسلک نسائیت کی پاک بازی بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ یہ سورما اپنی محبوب خواتین سے تمتع کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے تھے۔ جو سورما کسی حسینہ کو دشمن کے چنگل سے چھڑاتا وہ اس کے ساتھ خلوت میں جانے کا مستحق سمجھا جاتا تھا[40]۔

مسیحی دنیا میں جب عہدِ تاریک چل رہا تھا تب بعض کھاتی پیتی عورتوں پر جادو گرنی ہونے کا الزام لگا کر کلیسا کی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا جاتا تھا اور طرح طرح کے عذاب دے کر ان سے اعتراف کر لیا جاتا تھا کہ شیطان ان کے پاس خلوت میں آتا ہے۔اس کے بعد انہیں بر سر عام آگ کے شعلوں میں جھونک دیتے تھے اور اہلیان کلیسا ان کی جائیداد پر متصرف ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مال وزر کی حرص و ہوس کے سبب لاکھوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ برہمن بھی امراء کی عورتوں کو ستی ہونے کی ترغیب دیتے تھے کیونکہ موت کے بعد ان کے سونے چاندی کے بھاری زیور برہمنوں کو ہی ملتے تھے۔ غریب بیواؤں کو ستی ہونے کی ترغیب نہیں دی جاتی تھی[41]۔

مغربی دنیا کے تاریک عہد میں خواتین کا استحصال جن صورتوں میں کیا جاتا تھا وہ تمام صورتیں تاریخی مصادر میں بیان کی جاچکی ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ عورت کی تعلیم کا تھا۔ اگر کوئی خاتون تعلیم حاصل کر لیتی اور اس کی اپنی رائے تشکیل پاتی، وہ اپنی مرضی ومنشا کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتی تو اس کا جادو گرنی یا ڈائن قرار دے کر زندہ جلا دیا جاتا تھا[42]۔ تاریک

صدیوں میں ہزاروں عورتوں کو اس الزام میں آگ میں جھونک دیا گیا کہ وہ جادوگرنیاں ہیں اور شیطان کے پاس خلوت میں جاتی ہیں[43]۔

ج. مسلمانوں کا رویہ

جلالپوری نے یہاں مسلمانوں اور مغربی اقوام کے مابین عفت و عصمت کا تقابل بھی کیا ہے۔ ان کا مؤقف ہے کہ مسلمانوں میں پاکیزہ محبت کا تصور موجود تھا۔ وہ عورت کے ساتھ جسمانی اتصال کو اپنے جذبات کی بارآوری کا مرکز و محور تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس ضمن میں انھوں نے ابن فرج شاعر کے ایک فن پارے کا ترجمہ پیش کیا ہے جس کے مطابق اس کی محبوبہ اس سے ملنے کے لیے آئی لیکن ساری رات اس کے پاس رہنے کے باوجود شاعر نے اس کے جسم کو چھوا تک نہیں تھا۔ اگرچہ وہ سپردگی پر امادہ تھی لیکن میں نے ضبط سے کام لیا۔ رات کو وہ کھلے منہ آئی۔ رات کے سایوں میں اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس کی ایک ایک نگاہ دل کو بے قرار و بے خود کرنے کے لیے کافی تھی لیکن میں نے ہوس کے منہ زور گھوڑے کو بے قابو نہیں ہونے دیا۔ میں نے رات اس کے ساتھ اس طرح گزاری جس طرح اونٹنی کا بچہ، جس کا منہ رسیوں سے باندھ دیا جائے اور وہ اپنی ماں کے تھن سے دودھ نہ پی سکے۔ میرے جیسے لوگ پھولوں بھرے باغ میں صرف ان کا نظارہ کرتے ہیں اور خوشبو سنگھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ میں آوارہ وحشیوں میں سے نہیں ہوں جو اس باغ کو اپنی چراگاہ بنا لیتے ہیں[44]"۔

اسی سے ملتا جلتا منظر صفوان بن ادریس نے پیش کیا ہے کہ

> "میری پاک بازی نے مجھے اجازت نہ دی کہ میں اس کا منہ چوموں اور میرا دل بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلتا رہا۔ اس شخص کا دھیان کرو جس کا اندرون پیاس کی شدت سے جل رہا ہو لیکن وہ پانی سے اپنا حلق تر نہ کرے[45]"۔

خواتین کے بارے میں مسلمانوں نے اعتدال کی راہ اپنائی اور عورت و مرد کے درمیان محبت کو مذہبی تعلیم کے ساتھ مربوط کیا اور اس کو ایک نیک، دینی اور کار ثواب عمل قرار دیا تھا۔ اب عورت کے ساتھ مرد کا تعلق دوستی اور محبت کے پیرائے میں بیان کیا جانے لگا تھا۔ کسی بھی مرد کو اجازت نہیں کہ وہ کسی عورت کو قوت وطاقت کے بل بوتے پر اپنے بستر کی زینت بنائے یا کسی خاتون کی عصمت دری کو روا رکھے۔ اب دنیا نے ایک ایسا منظر دیکھا جس میں مرد عورت کی عزت اور اس کی آبرو کا ڈاکو نہیں بلکہ محافظ بن گیا تھا۔ اگر وہ کسی خاتون تک رسائی کا خواہاں ہے تو وہ اس کے ورثاء کو نکاح کا پیغام بھیجنے کا مکلّف ہے۔ ایک عورت کو ایک سے زیادہ مردوں کی جانب سے نکاح کا پیغام بھی آسکتا تھا۔ عورت کے اختیار میں تھا کہ وہ جس مرد کو چاہے نکاح کے لیے قبول کر کے اس کی رفاقت اختیار کرلے اور جو مرد اس کو پسند نہ ہو اس کے نکاح کا پیغام مسترد کر دے۔ تاریخ

میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں جن کے مطابق عورت نے ذاتی پسند و ناپسند کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی مرد کے پیغامِ نکاح کو مسترد کر دیا۔

اس ضمن میں جلالپوری نے اسلامی تاریخ کے ایک جلیل القدر عالم اور ظاہری فقہ کے سب سے بڑے داعی امام ابن حزم رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے جس کے مطابق ان کو اپنے قصر میں رہنے والی ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی لیکن وہ ان کے نکاح میں نہ آ سکی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طاقت و اختیارات ہونے کے باوجود ابن حزم نے اس لڑکی کی عزت و عصمت کا بھرپور لحاظ رکھا اور اس کی مرتبت و منزلت پر کوئی آنچ نہیں آنے دی تھی[46]۔اگر ان کی جگہ کسی دوسرے مذہب کا پروہت، پنڈت، پوپ یا معبد کا سر کردہ ہوتا تو اس عفت مآبی کا تصور ہی محال تھا۔

تیسری مبحث: مردانہ تفوق کے احساس کا نتیجہ

ا. نفسیاتی استحصال

پروفیسر علی عباس جلالپوری کے مطابق ہمارے زمانے کی عورت اپنے صدیوں کے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے تو اس کو مختلف پیرایوں میں بار بار اس بات کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ وہ جسمانی اور ذہنی اور ذوقی لحاظ سے مرد سے فروتر ہے اور خواہ وہ کتنی ہی آزاد ہو جائے، وہ مرد کی برابری نہیں کر سکتی ہے۔اس دعوے کے ثبوت میں عموما یہ دلیل دی جاتی ہے کہ عورتیں مردوں سے فروتر نہ ہوتیں تو ان میں بھی عظیم مذہبی رہنما، سائنس دان، فن کار اور فلاسفہ پیدا ہوتے لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و عمل کے کسی شعبے میں حد کمال کو پہنچنے والی عورتوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے[47]۔

پروفیسر موصوف اس بات پر معترض ہیں کہ مردوں کے دلوں میں متعدد تعصّبات گھر کر چکے ہیں مثلا عورت دوسرے درجے کی ایسی مخلوق ہے جو محض دوسرے درجے کی سرگرمیوں میں شریک ہو سکتی ہے اور قدرت نے اس کو اعلیٰ درجے کی ذہنی و ذوقی صلاحیتوں سے بہرہ ور نہیں کیا ہے۔اس کا اصل منصب مرد کے ذوق جمال کی تسکین کرنا ہے، بچے جننا ہے اور ان کی ابتدائی پرورش کرنا ہے۔اگر وہ ان حدود سے تجاوز کرے گی تو معاشرے کی تخریب کا باعث ہو گی[48]۔

ب. رومانوی تعلق اور غیرت کی معنویت

اس امر سے علی عباس کو بھی مفر نہیں کہ عورت کے ساتھ مرد کا ایک رشتہ محبت و الفت کا بھی موجود ہے لیکن وہ اس کو بھی ضمنی حیثیت دیتے ہیں۔ان کا مؤقف ہے کہ مرد کا رویہ عورت کے ساتھ ہمیشہ مریضانہ رہا ہے۔عشق و محبت یا ہوا و ہوس کی رو میں بہہ کر وہ عورت کے ملکوتی حسن اور جادوئے جمال کے والہانہ راگ الاپتا ہے لیکن یہ دورہ ختم ہو جانے پر اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔یہ عورت کا جسمانی اور نفسیاتی استحصال ہے جب کہ دنیا اس کو محبت اور انسیت یا عشق و الفت

کا نام دیتی ہے۔ان کے مطابق عورت فائر بریگیڈ کی مانند ہے۔آگ لگنے پر اسے بلالیا جاتا ہے،آگ بجھ جائے تو اسے دوبارہ ایک طرف ڈال دیا جاتا ہے[49]۔

ایک اہم نقطہ پروفیسر جلالپوری نے نے یہ اٹھایا ہے کہ زرعی انقلاب کے بعد جب معاشرت پدر شاہی ہو گئی تو مرد کے لیے "غیرت" کا عنصر پیدا ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی تمام املاک اپنے ذاتی بیٹوں میں تقسیم کرے اور اس کے لیے لازم تھا کہ اس کی عورت صرف اس کے ساتھ ہی تعلقات رکھے تاکہ اس سے اس کے "ذاتی بیٹے" ہی پیدا ہو سکیں[50]۔اس سوچ کے تحت مرد نے عورت کی نگرانی شروع کر دی جس سے "عفت و عصمت" اور پاک دامنی" و "پاک بازی" کا تصور پیدا ہوا۔ یہاں سے پردے کی ابتدا ہو گئی۔جلالپوری کے طابق جنسیات کے بعض محققین کا خیال ہے کہ عورت کی ستر پوشی مرد کے جذبہ حسد کی تخلیق ہے۔ مرد نے اپنی عورت کو دوسروں کے دستِ ہوس سے بچانے کے لیے اس کو ستر پوشی پر مجبور کیا تھا۔اسی طرح لباس اور بالواسطہ شرم وحیااور ناز وادا بھی مرد کے جذبہ حسد کی ہی مرہونِ منت ہیں۔جب عورت نے ستر پوشی شروع کی تو مرد میں جذبہ تجسّس پیدا ہوا۔ جو رفتہ رفتہ جنسی کشش کی جان سمجھا جانے لگا[51]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اسلامی اشتراکیت اور سیکولر خیالات کے زیر اثر جلالپوری کے مطابق انسانی فطرت کی اساس برہنگی ہے اور ستر کا تصور تکلفات اور دیگر مردانہ نفسیاتی امور کا آئینہ دار ہے۔اپنے اس مؤقف کی تائید میں وہ ڈارون کا واقعہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ڈارون نے افریقہ کی سیاحت کے دوران چند برہنہ حبشی عورتوں پر رحم کھا کر انھیں ریشمی کپڑے کا ایک تھان دیا تاکہ وہ اس سے اپنے ستر ڈھانپ لیں۔ دوسرے دن دیکھتا کیا ہے کہ ان عورتوں نے اس کے دیے ہوئے کپڑے کو پھاڑ پھاڑ کر اس کی پٹیاں بنالیں اور ان سے اپنے دست و بازو سجا لیے اور بدستور سابق مادر زاد برہنہ اس کے سامنے آگئیں[52]۔ گویا برہنگی امرِ فطرت ہے اور ستر پوشی یا حیاداری مرد کی انا کا دیا ہوا رواج ہے۔

چوتھی مبحث: خواتین کے استحصال کا حل

جلال پوری نے خواتین کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے بحث کو ادھورا یا نامکمل نہیں چھوڑا ہے بلکہ ان مسائل کا سد باب کرنے کے لیے اشتراکی منہج کے مطابق مندرجہ ذیل حل بھی تجویز کیے ہیں۔

ا. صنعتی معاشرے کا قیام

علی عباس جلال پوری اس عدم مساوات اور استحصال کا حل صنعتی معاشرت میں تلاش کرتے ہیں جس میں عورت کو اس کی سماجی، معاشی اور سیاسی حریت حاصل ہو گی۔اس ضمن میں وہ یورپ اور سوویت یونین کے صنعتی اور اقتصادی انقلاب کو ایک نمونے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ان کے مطابق " صنعتی انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت مرد کی غلامی سے آزاد ہو گئی ہے[53]"۔

جلالپوری مسلمان ممالک اور دیگر معاشروں کے لیے بھی یہی تجویز کرتے ہیں کہ عورت کی حریت اور اس کی خود مختاری کے لیے جو راستہ مغربی دنیا اور سوویت یونین نے اختیار کیا ہے وہی یہاں اپنانے کی ضرورت ہے۔اس کے ذریعے مسلمان معاشروں میں خواتین کی حالت بہتر ہو جائے گی اور اس کو اس کا وہی مقام مل جائے گا جو انسانی تہذیب کی ابتدا میں مدرشاہی معاشرت میں اس کو دیا گیا تھا[54]۔

بیسویں صدی میں مغرب میں عورت کی آزادی کی جو تحریک چلی تھی اس نے مردوں کے مساوی حقوق حاصل کرنے میں عورت کی کامیابی میں اساسی کردار ادا کیا ہے۔عورت زندگی کے ہر شعبے میں آگے بڑھ رہی ہے لیکن پروفیسر علی عباس جلال پوری سرمایہ دارانہ صنعتی معاشرے کو عورت کے حق میں مفید خیال نہیں کرتے ہیں۔اس لیے انھوں نے مغرب کے صنعتی معاشرے میں رہنے والی آزاد اور خود مختار عورت کے کردار کو منفی اور نقصان دہ بھی قرار دیا ہے نیز یہی آزادی جلالپوری کے مطابق خود عورت کے لیے بھی مہلک اور مضر ہے۔

ب. جسم فروشی اور سرمایہ دارانہ نظام کا ربط

ان کا مؤقف ہے کہ جدید مغربی معاشرے میں عورت بظاہر آزاد ہو چکی ہے[55] لیکن اس کا مقام پہلے سے بھی زیادہ پست تر ہو گیا ہے۔صنعتی انقلاب نے بے شک اسے مرد کی صدیوں کی غلامی سے آزاد کر دیا ہے لیکن اسی آزادی نے اسے ہوس کاری کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔وہ نہیں جانتی کہ ہوس کی یہ غلامی مرد کی غلامی سے کہیں بدتر ہے۔وہ سماجی فلاح میں اساسی کردار ادا کرنے کے بجائے جنسی ہوس کو پورا کرنے کا کھلونا بن کی ہے۔اسی لیے مغرب کے بڑے بڑے شہروں میں بے شمار قحبہ خانے ہیں، جہاں دن رات فسق و فجور کا بازار گرم رہتا ہے۔پیرس، لندن، نیویارک، شکاگو، فرینک فرٹ اور روم وغیرہ میں لاکھوں عورتیں عصمت فروشی کا دھندا کرتی ہیں۔شبانہ محفلوں میں عریانی، فحاشی اور جنسی کج روی کے حیاء سوز مظاہرے بر سر عام کیے جاتے ہیں[56]۔

جلالپوری یہ دعویٰ کرتے ہیں:

> کہ عورتوں کی جسم فروشی کے لیے قائم کردہ ایسے مراکز اصل میں سرمانہ دارانہ نظام کے سبب ہیں۔سامراج کے دوش بدوش عصمت فروشی کے کاروبار کو بھی وسعت ہوئی۔ایشیاء، افریقہ اور امریکہ کے شہروں میں بڑے بڑے قحبہ کانے کھولے گئے جہاں ہزاروں سفید فارم کسبیوں کو بھی دوسری مصنوعات اور اجناس کی طرح برآمد کیا گیا اور سفید غلامی منظّم تجارت کی صورت اختیار کر گئی[57]۔

علی عباس نے سیزر لومروزو کے اس دعویٰ کو مسترد کر دیا ہے کہ کہ بعض عورتیں پیدائشی کسبیاں اور جرائم پیشہ ہوتی ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اشتراکی دانش وروں نے ثابت کر دیا ہے کہ عصمت فروشی کی اصل وجہ معاشی ہے[58]۔چنانچہ کسبیوں کو

روز گار فراہم کر کے اشتراکی ممالک میں عصمت فروشی کا استحصال کر دیا گیا ہے۔ چین میں اشتراکی انقلاب کے وقت صرف شنگھائی میں پچاس ہزار کے لگ بھگ کسبیاں تھیں[59]۔اشتراکی رہنماؤں نے کنوارے مردوں سے کہا کہ ان کسبیوں سے شادی کر کے ان کو اس دلدل سے نکالنا ان کا فراض ہے۔ایک برس بھی نہ گزرا تھا کہ تمام کسبیاں باعزت ہو کر ماں بن گئیں۔وہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے لگیں۔اس ضمن میں جلالپوری نے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت چلنے والے ممالک پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : "آزاد دنیا میں جہاں اجارہ داروں اور تاجروں کو لوٹ کھسوٹ کی آزادی ہے وہاں عورت کی عصمت فروشی کو بھی اس کا حق سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ پابندی سے اس کے آزادی عمل کی جراحت ہو گی۔ گزشتہ جنگ عظیم میں جہاں کہیں امریکی گئے وہیں چکلے کھل گئے اور عصمت فروشی کا کاروبار چمک اٹھا۔ جنوبی کوریا، جاپان، جنوبی ویت نام، تھائی لینڈ، ملیشیا، برما کی اقوام کو ان ہوس پرستوں نے اپنے بے پناہ فسق وفجور سے آلودہ کر دیا ہے۔آزاد دنیا میں عصمت فروشی کا وسیع کاروبار اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں عورت کی حیثیت عملا مرد کے مساوی تسلیم نہیں کی گئی ہے۔دوسری اجناس کی طرح اس کی عصمت کو بھی جنس تجارت سمجھ کر اس سے نفع اندوزی کی جا رہی ہے[60]"۔

دوسری جانب اشتراکی دانشور اس نکتے سے بخوبی واقف ہیں چنانچہ روس، چین اور دیگر اشتراکی ممالک میں انقلاب کے بعد پہلا کام یہ کیا گیا کہ عصمت فروشی کا قلع قمع کر دیا گیا۔روس میں جسم فروشی کرنے والے شخص کے لیے تین برس کی سزائے قید ہے[61]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی سرمایہ دارانہ تہذیب عورت کی عزت و حرمت اور اس کے مقام و مرتبے کو عملی صورت میں پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے بلکہ اس نے عورت کو انسانیت کے درجے گرا کر جنسی ہوس کے کھلونے کی شکل دے رکھی ہے جس کو چند ٹکوں کے عوض کچھ وقت کے لیے مستعار لے کر کوئی بھی اپنی جنسی آگ کو ٹھنڈا کر سکتا ہے۔اس معاشرے کی عورت کا مطمع نظر بھی پیسا کمانا اور مادی اعتبار سے پر آسائش زندگی گزارنا ہے اس لیے وہ چار و ناچار اسی دلدل میں دھنستی ہی جا رہی ہے اور اس صورت میں اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔جلالپوری کے مطابق : "اس ناپاک کاروبار کی ذمہ داری بدرجہ اولیٰ مرد پر عائد ہوتی ہے جس نے عورت کو جنس بازاری بنا دیا ہے[62]"۔

جلالپوری اس حقیقت کو واضح کرنے کے بعد یہ تجویز دیتے ہیں کہ خواتین کو ان کا سماجی، سیاسی اور معاشی و مذہبی مقام و مرتبہ دینے کے لیے لازم ہے کہ اشتراکی اصولوں پر مبنی معاشرہ قائم کیا جائے۔اس معاشرے میں مرد اور عورت دونوں مساوی درجے پر محنت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ اشتراکیوں کا اعلان ہے کہ جو کام نہیں کرے گا وہ نہیں کھائے گا۔اس معاشرے میں عورت نہ صرف طب، قانون، تعلیم اور انجینئرنگ میں مرد کے دوش بدوش کام کر رہی ہے بلکہ پائلٹ، ڈرائیور اور

فیکٹری مزدور کے کام بھی کامیابی سے سرانجام دے رہی ہے۔اس طرح بنی نوع انسان کی تاریخ میں پہلی بار عملاً عورت کو مرد کا ہمسر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

ج. جسم فروشی کا حل: اشتراکیت

جلالپوری دعویٰ کرتے ہیں کہ اشتراکی ممالک میں عصمت فروشی کا انسداد کر دیا گیا ہے۔ عورت مرد کا کھلونا نہیں رہی جس سے وہ اوقات فراغت میں اپنا دل بہلایا کرے۔ وہ صبح شام اپنے فرائض میں اس طرح منہمک رہتی ہے کہ اسے ہوس ناکی کا خیال تک نہیں آتا ہے۔ چینی عورتوں نے کدالوں سے پہاڑ کھود کر رکھ دیے ہیں جن پر حد نگاہ تک فصلیں لہلہا رہی ہیں۔ وسیع دلدلوں کو پاٹ دیا ہے اور ان پر کارخانے تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ دریاؤں کے رخ موڑ دیے ہیں۔ ریگستانوں کو مرغزاروں میں تبدیل کر دیا ہے۔ کسان، مزدور، معمار، ڈرائیور تک کے کام عورتیں کر رہی ہیں[63]۔ روس کی ریاستیں ازبکستان، جارجیا، کاکیشیا اور کرغزیا انقلاب سے پہلے غیر آباد ویرانے تھے۔ آج وہاں جدید ترین وضع کے شہر بسائے گئے ہیں۔ اس حیرت انگیز ترقی میں عورتوں کا برابر کا حصہ ہے۔ دنیا کی پہلی خلا باز عورت اشتراکی معاشرے میں ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس معاشرے میں عشق و محبت نے کیا صورت اختیار کی ہے اس کا جواب دینا چنداں مشکل نہیں ہے۔ جلالپوری یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اشتراکی معاشرہ ترقی پذیر ہے اور تضادات سے بری ہے۔ اس میں معاشی عدل و انصاف قائم کر دیا گیا ہے۔ مرد و عورت کی مساوات دکھائی دیتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ ان میں امرد پرستی اور رومانی عشق کی مریضانہ صورتیں جو حسرت و محرومی پر مبنی ہوتی ہیں بار آور نہیں ہو سکتیں[64]۔ " جدید فکری مغالطے " میں جلالپوری نے متعدد مقامات پر اشتراکی معاشرے کے گن گائے ہیں۔ وہ اس طرز معاشرت کی تعریف میں طلب اللسان ہوتے ہوئے مبالغے کی حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ان کا مؤقف ہے کہ اشتراکی ممالک میں عورتوں نے ہر شعبہ زندگی میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ نرسنگ، تعلیم و تدریس اور سٹیج تو خیر ان کے خاص میدان ہیں۔ ان کے علاوہ نظریاتی اور تجرباتی سائنس، تکنیکی مہارت، ہوائی جہاز چلانے، کھیتوں میں جدید آلات سے کام لینے، باغبانی وغیرہ میں بھی وہ پیش پیش ہیں۔ کلوں کے رواج نے مردوں کی جسمانی برتری کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب عورتیں بھی آسانی سے کلوں کی مدد سے ہر کام انجام دے سکتی ہیں[65]۔

علی عباس جلال پوری کے مطابق دیگر معاشروں میں ناکام اور نامکمل رومان انسانی نفسیاتی مسائل اور منفی رویوں کے ساتھ ساتھ جرائم کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن اشتراکی معاشرہ ان مسائل سے پاک ہوتا ہے۔ جلالپوری کے مطابق اس کی خواتین اور مرد جسمانی اور ذہنی طور پر تندرست و توانا ہوتے ہیں اس لیے قدرتاً ان کو ایک دوسرے میں جنسی کشش محسوس ہوتی ہے۔ یہ کشش ذہنی اور ذوقی لگاؤ کے ساتھ مل کر صحت مند عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ معاشرہ چاہنے والوں کے راستے میں حائل نہیں ہوتا ہے۔ باہمی احترام اور جنسی توافق میاں بیوی کو گہری مسرت سے سرشار کر دیتے ہیں۔ یہ انس اور لگاؤ ہی اس معاشرے کا عشق ہے[66]۔

یہ دیکھ کر حیرت نہیں ہوتی کہ بورژوا معاشرے کی بہ نسبت اشتراکی معاشے کی عورتیں زیادہ بامسرت زندگی گزارتی ہیں۔ان میں طلاق کی شرح بہت کم ہے اور ایسی طالع آزما عورتوں کا کوئی وجود نہیں ہے جو بورژوا معاشرے میں امیر کبیر لوگوں سے بھاری رقمیں مہر میں وصول کرنے کے لیے نکاح کرتی ہیں۔انھوں نے مردوں کے دوش بدوش انقلابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور انہی کی طرح قربانیاں دینے سے کبھی گریز نہیں کیا ہے۔[67] جلالپوری نے اس ضمن میں بعض اشتراکیت پسند خواتین کی مثالیں بھی پیش کی ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جدید عورت کو مثبت کردار کی تشکیل کے لیے ان کے کردار کو نمونے کے طور پر دیکھنا چاہیے[68]۔

یہ نقطہ نظر پیش کرنے کے بعد جلالپوری نے برملا اعلان کیا ہے کہ: "دورِ جدید میں کارل مارکس نے مرد اور عورت کی حقیقی مساوات کی تبلیغ کی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جن ممالک میں اس کا نظریہ حیات معرضِ عمل میں آیا ہے وہاں عورت کو اپنا کھویا ہوا مقام مل گیا ہے[69]"۔

اشتراکی معاشرے کی بنیاد ہی ہر فرد کی محنت اور مشقت کے نظریے پر قائم ہے اس لیے اس معاشرے کی تشکیل کے بعد مرد و زن دونوں ہی کام اور محنت میں مگن ہو جائیں گے۔جلالپوری کے نزدیک یہ انسانی معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے ایک سنگِ میل ثابت ہو سکتا ہے۔انھوں نے براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ اس کی تائید میں ابن رشد کا ایک اقتباس بغیر کسی حوالے کے پیش کیا ہے جس کے مطابق: "ابن رشد عورتوں کی آزادی کا حامی تھا۔اس کے خیال میں عورتیں جملی علوم و فنون کا اکتساب بخوبی کر سکتی ہیں۔ حتیٰ کہ جنگ کی صلاحیت بھی رکھ سکتی ہیں۔وہ کہتا ہے کہ چرواہے کی کتیاں بھی بھیڑوں کی حفاظت اسی طرح کرتی ہیں جیسا کہ کتے کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہماری تمدنی حالت عورتوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنی لیاقت کا اظہار کر سکیں۔اسی غلامی کا نتیجہ ہے کہ ان میں بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کی جو قابلیت تھی وہ فنا ہو کر رہ گئی۔چنانچہ اب ہم میں ایک عورت ایسی دکھائی نہیں دیتی جو اخلاقی محاسن سے آراستہ ہو[70]۔

د. حریتِ نسواں کے جدید رجحانات اور قنوطیت

جلالپوری مایوسی کے بجائے قنوطیت کا دامن تھامے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ اس امید کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں کہ تعلیم اور شعور کے عام ہونے سے عورتوں کی حریت اور ان کے حقوق انہیں واپس مل رہے ہیں۔ان کا مستقبل اس ضمن میں تابناک ہو گا اور مسلمان و غیر مسلم، ہر دو قسم کے ممالک میں خواتین ہر قسم سے استحصال سے آزادی حاصل کر لیں گی۔ان کے مطابق عورت کی صدیوں کی مظلومیت اور ستم رسیدگی کا خاتمہ ہو رہا ہے۔وہ معاشرۂ انسانی میں اپنا جائز مقام حاصل کر رہی ہے۔اب وہ مرد کی عیش و تفریح کا وسیلہ نہیں رہی بلکہ اس کی برابری کی مدعی بن گئی ہے۔چنانچہ ان اقوام میں بھی جہاں کثرت ازدواج کو مذہبی جواز حاصل ہے، ایسے قوانین بنائے جا رہے ہیں جن کی رو سے ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح نہیں

کر سکتا ہے۔علاوہ ازیں تعلیم سے بہرہ ور ہو کر عورت سرکاری دفاتر اور صنعتی اداروں میں مرد کے دوش بدوش کام کر رہی ہے اور معاشرہ کی ترقی وبقا کی کوشش میں مرد کا ہاتھ بٹا رہی ہے۔حرم سراؤں کا خاتمہ ہو چکا ہے اور کنیز فروشی کو ایک سنگین جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ جن مذاہب نے غلامی اور بردہ فروشی کو جائز قرار دیا تھا، اب ان کے پیرو بھی طرح طرح کی تاویلیں کر کے براءت کا اعلان کر رہے ہیں[71]۔

جلالپوری اپنے قارئیں کو یقین دلاتے ہیں کہ ماضی میں خواتین کے ساتھ روا رکھا جانے والا سلوک اب مفقود ہو چکا ہے۔اس کی دو وجوہات ہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ قانون سازی کے ذریعے عورت کو اس کے حقوق دلوائے جارہے ہیں۔دوسری جانب تعلیم سے آراستہ عورت خود بھی اتنی باشعور ہو چکی ہے کہ وہ مرد کی بالادستی کو تسلیم کرنے کے بجائے اس کے مساوی درجے کی حامل بن کر اپنی بہتری اور نقصان کو پہچان سکتی ہے۔جلالپوری کے مطابق:

> بردہ فروشی کے انسداد نے عورت کے مقام کو بلند کر دیا ہے۔اب اس کو بھیڑ بکریوں کی طرح نخاس سے خریدا نہیں جا سکتا ہے۔اس سے جنسی اخلاق پر صالح اثر پڑتا ہے۔اب عورت اپنے خاوند سے بھی اتنی ہی پاکبازی کی توقع رکھنے لگی ہے جتنی کہ وہ اس سے رکھتا ہے[72]۔

انھوں نے اپنے قارئین کو یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں مذہب، معاشرت یا روایات کے نام پر عورت کو جن قید بندیوں میں جکڑا گیا ہے ان کے خاتمے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔اب بہت جلد عورت خود مختار ہو کر اپنے قدموں پر کھڑی ہو جائے گی اور مرد کی بالادستی کا بت پاش پاش ہو جائے گا۔وہ لکھتے ہیں کہ : "وہ دن دور نہیں جب عورت اپنا کھویا ہوا مقام پر الے گی اور معاشرے میں اپنا صحیح مرتبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ مستقبل کی عورت ہر کام میں مرد کی برابری کرے گی۔ایک بات میں البتہ مرد کی افضیلت ہمیشہ قائم رہے گی کہ مرد کبھی ماں نہیں بن سکے گا، نہ ماممتا کے پاکیزہ جذبے سے آشنا ہو سکے گا جو بقول میکڈوگل ایثار وقربانی، ہمدردی، اور خیر سگالی کا سنگ بنیاد ہے۔نوعِ انسان کو اسی جذبے کی عملی ترجمانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے[73]"۔

ان کے مطابق صنعتی انقلاب نے ایک طرف کسانوں اور مزدوروں کو اپنے حقوق کی پامالی کا احساس دلایا ہے اور دوسری جانب عورت کو بھی ہزاروں برسوں کی غلامی سے نجات دلوائی ہے۔وہ ہر میدان میں مردوں کے دوش بدوش کام کر رہی ہے اور روس کی خلا باز خاتون نے مرد کی جسمانی برتری کا بلبلہ بھی پھوڑ دیا ہے۔یورپ اور امریکہ کی عورت نے اپنی آزادی کا غلط مفہوم لیا ہے اور وہ آزاد ہو کر بھی بدستور مرد کی گڑیا بنی ہوئی ہے۔آزادی کا مطلب آشفتہ سری اور بے راہ روی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت ہر قسم کے معاشرتی، اقتصادی اور عائلی فرائض ادا کرنے میں آزاد ہے[74]۔

ہ۔ خواتین کے لیے مثالی کردار

انسانی معاشرے اور ریاستیں بعض مخصوص قوانین اور اصول و ضوابط پر چلتی رہی ہیں۔ ان قوانین پر عمل کرنا ایک طرف مردوں کے لیے لازم رہا ہے جب کہ دوسری جانب خواتین بھی ان کی پیروی کی مکلّف ہیں۔ جلالپوری کے مطابق یہ ضابطے عورتوں کے استحصال کے لیے بنائے گئے تھے اس لیے ایسی خواتین جنھوں نے ان کے خلاف بغاوت کی، وہی عورتیں عصر حاضر کی خواتین کے لیے رول ماڈل کے طور پر مقبول ہونی چاہییں۔

اس حوالے سے انھوں نے سوفوکلیز کے ایک نسوانی کردار "اینٹی گونی" کو پیش کیا ہے۔ ناول کی کہانی کے مطابق یونان کے حکمران ایڈیپس کے دو بھائی تھے۔ایک بادشاہ کا حامی جب کہ دوسرا بادشاہ کا مخالف تھا۔ حامی اور مخالف آپس میں ٹکرائے اور دونوں ہی مارے گئے۔ ایڈیپس نے حکم دیا کہ حامی کو عزت و احترام کے ساتھ دفنایا جائے جب کہ مخالف کی لاش کو غلیظ پانی میں پھینک دیا جائے۔ اگر کوئی شخص اس کو نکال کر عزت کے ساتھ دفن کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کو سزائے موت دی جائے گی۔اینٹی گونی شاہ ایڈیپس کی بیٹی تھی۔ اس کو یہ انتہائی ناگوار لگا کہ اس کے ایک بھائی کی لاش کی یوں بے حرمتی ہو۔اس نے جان پر کھیل کر اپنے بھائی کی نعش کو پورے احترام کے ساتھ دفنا دیا جس کو بادشاہ نے اپنے حکم کی عدولی سے تعبیر کرتے ہوئے اینٹی گونی کو سزائے موت سنائی اور اینٹی گونی نے اس حکم نامے کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کر لیا تھا۔اس کردار کو سامنے رکھتے ہوئے جلالپوری لکھتے ہیں کہ انٹی گونی عورت کی بغاوت کی علامت بن گئی ہے اور آج کل کی عورت کی ترجمان سمجھی جاتی ہے۔اس نے فرسودہ تعصّبات، ٹھس قوانین، جامد رسم و رواج اور مرد کی غیر فطری سیادت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا ہے۔اسے روز بروز اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ مرد کی بالا دستی نے اسے علمی اور عملی میدانوں میں نمایاں کارنامے انجام دینے کے مواقع نہیں دیے ورنہ وہ کسی پہلو سے بھی اس سے کہتر نہیں تھی[75]۔

پانچویں مبحث: علی عباس جلال پوری کے افکار کا تجزیہ

اسلامی نقطہ نظر ابتدائے تہذیب میں عورت کے تفوق کا مؤقف قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے انسانی تہذیب کی ابتداء مرد شاہی نظام سے ہوئی تھی۔ س کے برعکس حدیث کے مطابق مرد کی پسلی سے عورت کو پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو "**اسکن ونت وزوجک الجنة**[76]" فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو عورت پر اولیت حاصل ہے۔ یہ عورت شاہی نظام کے تہذیبی آغاز کی نفی ہے۔اسی طرح انبیاء میں سے اللہ تعالیٰ نے نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کا تذکرہ "**کانتا تحت عبدین من عبادنا**[77]" کی صورت میں پیش کیا ہے۔ نوح علیہ السلام انسانی تہذیب کے ابتدائی انبیاء میں سے ہیں اور ان کی عورت ان کے ماتحت تھی۔ علی عباس جلال پوری نے دیگر فیمنسٹوں کی طرح محض نظریہ اور دعویٰ پیش کیا ہے،اس کے حق میں پختہ دلائل پیش نہیں کیے ہیں۔ یہ کہنا کہ فلاں فلاں قبیلے میں اب بھی عورت

شاہی نظام چل رہاہے، صائب نہیں ہے کیونکہ خود ان قبیلوں کو غیر متمدن اور غیر مہذب تسلیم کیا جاتا ہے۔اس لیے جن قبائل کا تہذیب وتمدن کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے ان کو تہذیب کی ابتداء کے حوالے سے بطور دلیل پیش کرنا چہ معنی دارد؟

دوسری بات یہ کہ تاریخ یہ ضرور بتاتی ہے کہ انسانی معاشرے میں عورتوں کو ان درختوں کی مانند سمجھا جاتا تھا جو ایک خاص مدت پر پھل دیتے تھے۔ بچے کی پیدائش کا عمل انسانوں کے لیے نامعلوم تھا۔اس لیے وہ عورت کو دیوی سمجھ کر اس کی پوجا بھی کرتے رہے ہیں لیکن معاشرتی سیادت کا عورت کے ہاتھ میں ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ نیز اس عہد میں سیکولر مؤرخین کے مطابق جنسی عمل کے لیے کوئی مخصوص ضابطہ مقرر نہیں تھا اس لیے ایک عورت سے ایک سے زیادہ مرد تمتع کرتے تھے۔ بچے کی پیدائش کے وقت یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ مرد وزن کے اتصال کا نتیجہ ہے۔اس لیے بچے کے لیے والد کا تصور ہی نہیں تھا۔اس لیے بھی عورت امتدادِ حیات کا منبع سمجھی جاتی تھی۔جب علم اور معرفت کا یہ حال تھا تو پھر کون سی تہذیب اور کون سی قیادت؟

آخری بات یہ کہ تمام ماہرین بشریات اس نظریے کے حامی نہیں ہیں بلکہ ان کی ایک بڑی تعداد اس تصور کو بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی قرار دیتی ہے۔اس ضمن میں مغربی دنیا میں ہی تاحال یہ بحث جاری ہے کہ ابتدائی معاشروں کی نوعیت مادر شاہی تھی یا پدر شاہی تھی۔اس ضمن میں پدر شاہی معاشرت کے ثبوت میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ بھی لائق التفات ہیں۔ان کے مطابق تہذیب کے اسی ابتدائی دور میں خانہ بدوش قبائل کے مابین جنگ وجدل میں مرد ہی کام آتے تھے اور وہی فاتح قرار پاتے تھے۔یہ ثابت کرتا ہے کہ تہذیب کے آغاز ہی سے مرد حاکم رہا ہے۔عورت کی حاکیت اور قیادت کا دعویٰ سراسر افسانوی اور غیر تصدیق شدہ ہے[78]۔

جن لوگوں نے مادر شاہی تہذیب کو انسانی معاشرت کی ابتداء قرار دیا ہے ان کے بیانات باہم موافق نہیں ہیں بلکہ سب الگ الگ کہانی سناتے ہیں۔پہلی کہانی کے مطابق دیوتاؤں نے اپنی دیویوں کو پراسرار طاقتیں بخشیں اور اس کے بعد دیویوں نے انسانوں میں آکر خواتین کو عقل وخرد سے نوازا تھا جس کی وجہ سے عورتیں اولاد آدم کی رہنما قرار پائی تھیں۔اس مؤقف کی بنیاد چونکہ اسطورائی ہے اس لیے اس میں کوئی علمی یا منطقی وزن نہیں ہے۔اگر اس کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دیوتاؤں کی بخشی ہوئی طاقت ، جس کو دیویوں نے خواتین میں تقسیم کیا؟وقت اور حالات کے ساتھ ماند پڑتے ہوئے ختم ہوگئی تھی؟جب مردان پر حاکم بننے کی تگ ودو میں تھے تب یہ دیوتا اور دیویاں اپنی بخشی ہوئی قوت اور اپنے ودیعت کردہ اختیار کی بے حرمتی دیکھ کر کیونکر خاموش رہ سکتے تھے؟یہ مشرکانہ اور اسطورائی مؤقف اس قدر کمزور ہے کہ اس پر زیر بحث لانا ہی علمی میراث کا مضحکہ اڑانے کے مترادف ہے۔

علی عباس جلال پوری کا مؤقف ہے کہ عورت پر غلبہ پانے کے بعد مرد کی انا یا غیرت فعال ہوئی اس لیے اس نے عورت کو ستر پوشی اور پردہ و حجاب کی پابندی پر مجبور کر دیا علی عباس جلال پوری کا یہ مؤقف اسلامی مؤقف سے میل نہیں کھاتا ہے۔ عورت میں شرم وحیاء اللہ تعالیٰ نے ایک فطری لازمہ کے طور پر رکھی ہے۔اس لیے اس کا پردہ اور لباس مرد کی غیرت کا مظہر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والی رہنمائی اور ہدایت کا عملی نمونہ ہے۔یہاں سیکولر ماہرین بشریات اور اسلامی تصورِ اخلاقیات کے مابین موافقت نہیں ہے کیونکہ اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بعثت الی الارض کے وقت ان کو یہ نوید سنادی تھی کہ میری جانب سے آپ کی طرف ہدایت اور رہنمائی پر مبنی تعلیمات آتی رہیں گی اور جو ان تعلیمات پر عمل پیرا رہے گا اس کو کامیابی و کامرانی ملے گی۔ لہٰذا عورت کا پردہ اور لباس بھی اللہ کی جانب سے ہدایت کا نتیجہ ہے۔

اس ضمن میں خود قرآن مجید کا بیان ہے کہ جب شجر ممنوعہ کا پھل آدم و حوا نے کھایا تو ان کو جنت کے لباس سے محروم کر دیا گیا اور انھوں نے اپنے جسموں کو جنت کے درختوں کے پتوں سے ڈھانپ لیا۔یہ ایک ایسا پہلو ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس اور جسم کا پردہ کسی انسان کی عقلی موشگافی کے رد عمل میں متشکل نہیں ہوا تھا۔

علی عباس جلال پوری کا یہ مؤقف کہ مرد کی کوشش تھی کہ عورت اب "اس کی عورت" بن کر رہے اس لیے اس نے عورت کو دیگر مردوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے لیے ستر کو لازم قرار دیا تھا۔یہ مؤقف بھی اسلامی تعلیم سے میل نہیں کھاتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے حوا کو آدم علیہ السلام کی عورت قرار دیتے ہوئے **"اسکن انت وزوجک الجنة"** فرمایا ہے۔عورت کو ایک مرد کے لیے مخصوص کرنا خدائی فیصلہ ہے، نہ کہ کسی مرد کی سوچ کا عکاس و غماز ہے۔

چونکہ عقلی اور آزاد خیالی پر مبنی منہج فکر نے حجاب پر قد غن لگانے کی کوشش کی ہے اس لیے یہاں عقل نے وہی ٹھوکر کھائی ہے جو وحی کے انکار کی صورت میں یقینی تھی۔ سید جلال الدین عمری اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حجاب کے مخالفین نے بے پردگی کو حریت اور آرٹ بنا کر یہ طرف تماشا پیش کیا ہے کہ اب مرد نے اس حریت کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی اس کو اپنایا ہے۔اس کے لباس میں اتنی عریانی نہیں ہے جتنی عریانی عورت کے لباس میں ہے۔مرد خود موسم کے اعتبار سے مکمل لباس پہنتا ہے جب کہ حریت کی پاسبان عورت کسی بھی موسم میں پورا تن نہیں ڈھک رہی ہے۔اس تضاد کو جدید دنیا کا مرد اور عورت دونوں ہی محسوس نہیں کر رہے ہیں[79]۔ علی عباس جلال پوری اور دیگر اشتراکی مفکرین نے اس نکتہ کی وضاحت نہیں کی کہ اگر عورت کا ساتر لباس مرد کی غیرت کا مرہون منت ہے تو پھر مرد کا ساتر لباس کس قانون یا حکم کا نتیجہ ہے؟ اگر وہ عورت پر قابض اور حاکم تھا تو یہ ستر پوشی محض عورت تک محدود ہونی چاہیے تھی۔

علی عباس جلال پوری کے مطابق عورت کی جسم فروشی اس کے جسمانی استحصال کی ہی ایک صورت ہے اور یہ ایک انتہائی مذموم عمل ہے[80]۔ اسلامی شریعت کی رو سے بھی عورت کی عصمت دری کرنے والا شخص کسی رعایت کا حق دار نہیں ہے۔اس ضمن میں علی عباس جلال پوری نے کسی سزا کو تجویز نہیں کیا ہے۔دوسری جانب انھوں نے زانیہ کے لیے سزائے موت کو غلط قرار دیا ہے حالانکہ زنا کاری جس طرح مرد کے لیے حرام ہے اسلام کی رو سے اسی طرح عورت کے لیے بھی حرام ہے۔

علی عباس کا یہ دعویٰ بھی درست ہے کہ جن مغربی ممالک میں عورت کی حریت کا نعرہ بلند کر کے اس کو مرد کے مساوی درجہ دینے کی کوشش کی گئی ان ممالک کے سرمایہ داروں نے انتہائی چالاکی کے ساتھ عورت کی بہتری کو اس کی جسمانی خوبصورتی سے متعلق امور کے ساتھ مربوط کر دیا جس کے نتیجے میں عورت فیشن اور جسم فروشی کے کاروبار کی دلدل میں جا پھنسی اور اس کا زندگی کے جملہ امور میں وہی کردار رہا جو ماضی کے جاہلی زمانوں میں تھاالبتہ اب اس کا زرق برق لباس، محافل میں اس کی عشوہ فروشی اور مردوں کی ہوس کاری کے بدلے میں اس کو ملنے والی دولت نے اس کی آنکھوں کو یوں اندھا کرے رکھ دیا ہے کہ اب وہ اسی ماحول کو کو اپنی آزادی اور حریت کا آئینہ دار سمجھ بیٹھی ہے۔مغربی تہذیب کے اس پہلو پر مسلمان مفکرین کی متعدد تحریریں موجود ہیں۔اس ضمن میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب "پردہ" انتہائی اہم ہے۔

علی عباس جلال پوری نے اپنی تحریروں میں جابجااس بات پر زور دیا ہے کہ عورت کو محض گھر کی چاردیواری میں مقید رکھ کر قومی فلاح اور معاشرتی بہتری کی راہیں مسدود کی گئی ہیں۔اس لیے لازم ہے کہ اس کو بھی مرد کی طرح معاشی دوڑ میں لگایا جائے۔یہ فکر اور سوچ دراصل اشتراکیت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے کہ انسانی کوشش اور کاوش کا مرکز حصول زر ہونا چاہیے اور اس مقصد کے لیے ہر فرد کو کام کرنا چاہیے۔لہٰذا عائلی زندگی، خاوند کی خدمت اور بچوں کی پرورش ثانوی جب کہ ملازمت اور کاروبار اولین درجے پر ہیں۔

علماء اسلام کا مؤقف سامنے آ چکا ہے کہ عہد نبوی میں متعدد صحابیات نے مختلف پیشے اختیار کر رکھے تھے جن کی تفصیلات معلوم ہیں۔ عورت کے لیے کسب معاش میں شریک ہونے کی اسلام جزوی طور پر تائید اور جزوی طور پر نفی کرتا ہے۔جب مجبوری ہو تب عورت کو کسبِ معاش کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اگر مرد کی کمائی سے گھر کے اخراجات پورے ہو رہے ہوں تب عورت کے لیے گھر سے نکل کر، خانگی امور کو نظر انداز کر کے پیسا کمانے کی دوڑ دھوپ میں لگ جانا جائز نہیں ہے[81]۔

یہ اس معاشرے میں تو تحسین کی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے جس کی کوئی روحانی اساس نہ ہو۔ لیکن ایک نظریاتی اسلامی ریاست میں اس کے جواز کو حدود کے ساتھ ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ یہاں ایک اور نقطہ بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ جس ملک میں بے روزگاری کی یہ حالت ہو کہ وہاں ہنر یافتہ اور تعلیم یافتہ مرد بے روزگار پھر رہے ہوں، وہاں کی عورتوں کو عہدوں اور مناصب پر بٹھا دینا ایک نئے صنفی محاذ کو کھولنے کے مترادف ہے[82]۔

علی عباس جلالپوری نے اشتراکی ممالک میں خواتین کے کردار کی عکاسی کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ان ممالک میں روس کو اشتراکیت کا اعلم بردار مانا جاتا ہے جہاں آج بھی ملازمت پیشہ خواتین کا معاوضہ مردوں کے معاوضے سے کم ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین کو انتظامی عہدوں اور مناصب پر سرفراز کرنے کی سخت مخالفت کی جاتی ہے۔روس میں ہی خواتین کو بڑے پیانے پر جنسی ہراسگی اور عصمت دری کے واقعات کا زیادہ سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔2021ء میں 100 میں سے 3.45 فیصد خواتین ریپ کا شکار ہوئی ہیں[83]۔اسی طرح ان کا یہ دعویٰ کہ اشتراکی معاشرے میں شادی کامیاب ہوتی ہے اور میاں بیوی کا ساتھ ابدی ہوتا ہے، مبالغہ پر مبنی ہے کیونکہ روس میں ہی لوگ عموماً شادی کی جانب جانے کے بجائے بغیر شادی کے ایک ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اگر شادی ہو جائے تو ان کے ہاں طلاق بھی ہو جاتی ہے۔ورلڈ پاپولیشن ریویو کے مطابق 2021ء میں روس میں سو میں سے چار شادیاں طلاق پر ختم ہوئی تھیں[84]۔

علی عباس جلال پوری یہ تو تجویز دیتے ہیں کہ عورتوں کو مارکیٹ میں نکالا جائے اور ان کو ملازمت کی جانب مائل کیا جائے نیز ان کو سرکاری اور غیر سرکاری شعبوں میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی ترغیب دی جائے۔لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ ایسی عورت جب شادی کر کے ماں بنے گی تو اس کے بچے کی پرورش کا کیا ہو گا؟ وہ یہ بھی نہیں بتاتے طلاق کی صورت میں بچوں کا کیا ہو گا؟ظاہر ہے اس کا جواب اسلامی عائلی نظام میں تو موجود ہے لیکن اشتراکیت اس ضمن میں خاموش ہے۔

علی عباس جلال پوری نے بہتر معاشرتی کردار کی تشکیل کے لیے جن خواتین کے نام پیش کیے ہیں ان میں سے بعض خواتین کی اولو العزمی مسلمہ ہے۔اپنے بھائی کی میت کی آخری رسومات ادا کرنے میں جرات کا مظاہرہ کرنا اور اشتراکی مشن میں مصروف عمل اپنے مردوں کے شانہ بشانہ چلنا واقعتاً دل گردے کا کام ہے۔لیکن مسلمان خواتین کے لیے ان سے بہتر خواتین کا کردار موجود ہے جن کی طرف علی عباس جلالپوری نے التفات نہیں کیا ہے۔قرآن مجید میں حضرت آسیہ اور حضرت مریم علیہما السلام کے علاوہ کتب احادیث وسیرت میں سینکڑوں صحابیات کے کردار مذکور ہیں۔ان نیک سیرت خواتین نے نہ صرف عائلی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے بہترین مثالیں قائم کیں بلکہ سماجی، معاشی، تعلیمی اور علمی شعبوں میں بھی کارہائے نمایاں سر انجام دیے ہیں۔مسلم معاشرے میں مثالی خاتون کے کردار کی تشکیل کے لیے ان عفت مآب اور حیادار خواتین کا کردار سامنے لانا چاہیے۔

نتیجہ بحث

علی عباس جلال پوری نے خواتین کے استحصال کے لیے جس تشویش کا اظہار کیا ہے وہ بالکل درست ہے لیکن انھوں نے اس کو جزئیات کی صورت میں جس طرح پیش کیا ہے وہ اسلوبِ نگارش متعدد سوالات کا سامنا کرتا ہے۔ان کے دعاوی میں سے زیادہ تر وہی ہیں جو مغربی سیکولر اور لبرل طبقے کی جانب سے سامنے آئے ہیں اور ان پر پوری دنیا میں بحث جاری ہے۔وہ ایک

فلسفی اور مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پاکستانی بھی تھے اور اسی لیے ان کے لیے اپنی تہذیب اور ثقافت کے اوصاف کو سامنے لانا اور اسلامی تعلیمات کی رو سے ان کی اصلاح اور بہتری کے امکانات کی نشاندہی کرنا ضروری تھا۔ لیکن انھوں نے اشتراکی فکر کو مکمل طور پر مستعار لے لیا تھا اور اسی کی بنیاد پر خواتین سے متعلق اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ان کا موقف اور ان کی آراء کو اس اسلامی میزان میں تولا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جزوی طور پر ان کی تشویش درست ہے لیکن اس کے حل کے لیے وہ جو لائحہ عمل پیش کرتے ہیں، اسلامی تعلیمات کی رو سے اس کو درست نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1 جلالپوری، علی عباس، **جنسیاتی مطالعے**، (لاہور، ادارہ تخلیقات، 1999ء)، ص 8۔

جلالپوری، علی عباس، **خرد نامہ جلالپوری**، (لاہور، حامد جعفر پبلشرز، 1993ء)، ص 185، 186

Jalālpūrī, ʼAli ʼAbbās, *Jinsīyātī Muṭāly,* (Lāḥore: Idāraḥ Takhlīqāt, 1999), 185, 186

Jalālpūrī, ʼAli ʼAbbās, *Khīrd Nāmaḥ Jalālpūrī,* (Lāḥore: Hāmīd Jāfār Pūblīsher, 1993), 185, 186

2 جلالپوری، علی عباس، **عام فکری مغالطے** (لاہور: ادارہ تخلیقات، 1999ء)، 18-19۔

Jalālpūrī, ʼAli ʼAbbās, *Ām Fikarī Mughalṭy* (Lāḥore: Idāraḥ Takhlīqāt, 1999), 18-19.

3 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، 157

Jalālpūrī,*Ā m Fikarī Mughalṭy,*147.

4 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص 182

Jalālpūrī,*Ā m Fikarī Mughalṭy*, 157

5 "مادری نظام معاشرہ کی تشکیل پر کنبے کے افراد کا باہمی یگانگت کا احساس قوی تر ہو گیا اور مبہم صورت میں خیر و شر کا تصور نمود پذیر ہونے لگا تھا"۔ (جلالپوری، عام فکری مغالطے، ص 139)

Jalālpūrī,*Ā m Fikarī Mughalṭy* 139

6 جلالپوری، علی عباس، **تاریخ کا نیا موڑ**، (لاہور، ادارہ تخلیقات، 2013ء)، ص 134۔

Jalālpūrī, ʼAli ʼAbbās, *Tārīkh kā Nīyā Mūr,* (Lāḥore: Idāraḥ Takhlīqāt, 2013), 134

7 جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص 8۔

جلالپوری، علی عباس، **رسوم اقوام**، (لاہور، حامد جعفر پبلشرز، 1993ء) ص 19

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 8

Jalālpūrī, ʼAli ʼAbbās,*Rasūm-e-aqwām,* (Lāḥore: Hāmīd Jāfār Pūblīsher, 1993), 19

8 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص 156

Jalālpūrī, *Ā m Fikarī Mughalṭy,* 156

9 جلالپوری، **رسوم اقوام**، ص 18

Jalālpūrī, *Rasūm-e-aqwām,* 18

10 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص 164

Jalālpūrī, *Ā m Fikarī Mughalṭy,*164

[11] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص26

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,*26

[12] جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص134

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 134

[13] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص156

Jalālpūrī, *Ā m Fikarī Mughalṭy,*156

[14] جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص135

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 135

[15] جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص95

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 95

[16] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص161

Jalālpūrī, *Ā m Fikarī Mughalṭy,*161

[17] جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص84

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 84

[18] جلالپوری، **رسوم اقوام**، ص19

Jalālpūrī, *Rasūm-e-aqwām,* 19

[19] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص140

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 140

[20] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص36،37۔

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 36, 37

جلالپوری، **خرد نامہ جلالپوری**، ص161

Jalālpūrī, *Khīrd Nāmaḥ Jalālpūrī,* 161

[21] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص159

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 159

[22] جلالپوری، **خرد نامہ جلالپوری**، ص54

Jalālpūrī, *Khīrd Nāmaḥ Jalālpūrī,* 54

[23] جلالپوری، **رسوم اقوام**، ص43

Jalālpūrī, *Rasūm-e-aqwām,* 43

[24] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص184

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 184

[25] جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص83

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 83

[26] جلالپوری، **رسوم اقوام**، ص19

Jalālpūrī, *Rasūm-e-aqwām,* 19

[27] آج بھی یونانی داستانوں میں ایسی دیوداسیوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے جو اشرافیہ سے تعلق رکھتی تھیں اور مندروں میں زندگی بھر خدمات سرانجام دیتی تھیں۔ David Banioff نے Troy کے عنوان سے ایک رزمیہ سکرین پلے لکھا ہے جس میں ایک شہزادی کو یہی ذمہ داری سرانجام دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ سکرین پلے اس قدر پسند

کیا گیا کہ مصنف کو معروف مغربی کمپنی Warner Bros نے اڑھائی ملین ڈالر دے کر اس کو خرید لیا اور سی این این کی رپورٹ کے مطابق بعد میں 185 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کر کے Troy کے نام سے ہی ایک فلم بنائی تھی۔

""Troy" a mediocre epic, CNN.com. October 10, 2005.

اسی یونانی روایت کے زیر اثر یہودیوں میں بھی خواتین نے ہیکل میں بطور راہبہ زندگی گزارنا شروع کر دیا تھا اور بعد میں عیسائی راہبات اسی کا تسلسل و امتداد ثابت ہوئی تھیں۔

[28] جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص135

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor, 135*

[29] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص188

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy, 188*

[30] جلالپوری، **خرد نامہ جلالپوری**، ص187

Jalālpūrī, *Khīrd Nāmaḥ Jalālpūrī, 187*

[31] جلالپوری، **خرد نامہ جلالپوری**، ص137

Jalālpūrī, *Khīrd Nāmaḥ Jalālpūrī,* 137

[32] جلالپوری، **خرد نامہ جلال پوری**، ص68

Jalālpūrī, *Khīrd Nāmaḥ Jalālpūrī, 68*

[33] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص126، ص158

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy, 126, 158*

[34] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص159

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy, 159*

[35] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص97

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy, 97*

[36] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص127

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 127

[37] جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص67

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 67

[38] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص120

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 120

[39] جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص65

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 65

[40] جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص68

Jalālpūrī, Jinsīyātī Muṭāly, 68

[41] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص161

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 161

[42] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص41

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 41

[43] جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص7

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 7

44 جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص66

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 66

45 جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص67

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 67

46 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص128

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 128

47 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص154

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 154

48 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص154

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 154

49 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص65

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 65

50 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص183

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 183

51 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص125

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 125

52 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص126

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 126

53 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص16

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 16

54 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص17

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 17

55 جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص135

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 135

56 جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص134۔ جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص136

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 134
Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 136

57 جلالپوری، **جنسیاتی مطالعے**، ص7

Jalālpūrī, *Jinsīyātī Muṭāly,* 7

58 جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص138

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 138

59 دوسری جگہ جلالپوری نے تعداد مختلف لکھی ہے۔ چنانچہ ان کے مطابق: "صرف شنگھائی میں پانچ سو بڑے قحبہ خانے تھے۔ ان میں چار لاکھ چھ ہزار کسبیوں سے دھندا کروایا جاتا تھا۔ ان کی عمر بالعموم بارہ اور چودہ برس کے درمیان ہوتی تھی۔ وحط زدہ علاقوں میں بردہ فروش چاول کے تھیلوں کے عوض نوخیز لڑکیاں خرید کر لاتے تھے جنہیں قحبہ خانوں میں رکھا جاتا تھا۔ ان لڑکیوں کو اس بے دردی سے پیٹا جاتا تھا کہ ہر سال ایک ہزار جانیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ پولیس خاموش کھڑی تماشا دیکھتی تھی۔ انقلاب کے بعد یہ قحبہ خانے بند کر دیے گئے اور اعلان کیا گیا کہ جو کسی کسبی سے شادی کر کے اس کو عزت و آبرو کی زندگی گزارنے میں مدد دے گا اس کو دیگر شہریوں سے زیادہ احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے

گا۔ چنانچہ قلیل عرصے میں ہی لاکھوں بدنام کسبیاں ذی عزت بیویاں بن گئیں، اشترائیوں نے قحبگی کو سنگین جرم قرار دیا اور مرد و عورت کی مساوات قانوناً نافذ کر دی گئی۔(جلالپوری، تاریخ کا نیا موڑ، ص137)

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 137

[60] جلالپوری، **خرد نامہ جلال پوری**، ص188

Jalālpūrī, *Khīrd Nāmaḥ Jalālpūrī,* 188

[61] جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص137

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 137

[62] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص159

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy*, 159

[63] جلالپوری کا دعویٰ ہے کہ اشتراکی معاشرے میں خواتین کو بھی مردوں کی طرح محنت کرنی پڑتی ہے اس لیے وہ ذہنی پراگندگی سے محفوظ رہتی ہیں اور مغربی عورت کی طرح ان کو جنسی کشش کا خطب پریشان نہیں کرتا ہے۔(جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص138)

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 138

[64] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص134،135

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 134, 135

[65] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص166

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 166

[66] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، 135

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 135

[67] جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص140

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 140

[68] جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ**، ص140تا143

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 140 - 143

[69] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص163

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 163

[70] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص165

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 165

[71] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص37

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 37

[72] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص41

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 41

[73] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص166

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 166

[74] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص166

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy*, 166

[75] جلالپوری، **عام فکری مغالطے**، ص164

Jalālpūrī, *Ām Fikarī Mughalṭy,* 164

[76] البقرہ،35:2

Al-Baqaḥraḥ, 2:35

[77] التحریم،10:66

Al-Tahrīm: 6:10.

[78] اس مؤقف کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

Cynthia Eller،The Myth of Matriarchal Prehistory، (Boston, Beacon Press, 2001), Chapter: 1

[79] عمری، سید جلال الدین، مولانا، **مسلمان عورت کے حقوق**،(کراچی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، 2015ء)، ص59

Syed Jalal u Dīn Umrī, *Muslīman Aurat ky Haqooq*, (Karachi Islamic Research Academy, 2015), 59

[80] جلالپوری نے اپنی کتاب "**تاریخ کا نیا موڑ**" کے ص135 تا137 پر اس حوالے سے انتہائی سخت انداز اختیار کرتے ہوئے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو عصر حاضر میں عورت کے جسمانی استحصال کا سبب قرار دیا ہے۔

Jalālpūrī, *Tārīkh kā Nīyā Mor,* 135 - 137

[81] مختلف اہل علم، **خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات**،(نئی دہلی، ایفا پبلیکیشنز،2010ء)، ص77تا592

Mukhtalif Ahal-e- Ilam, *Khāwāteen ki Mulāzmāt aur Islāmi Tāleemāt,* (Dehli, Efa Publications, 2010), 77 - 592

[82] حافظ صلاح الدین یوسف، **عورتوں کے امتیازی مسائل و قوانین**،(لاہور، دار السلام، لاہور، س۔ن)، ص67

Hāfiz Sālāh u Dīn Yousuf, *Aurātoon ky Imtīāzī Māsāil o Qāwāneen,* (Lahore, Dār ul Sālām), 67

[83] https://www.statista.com/statistics/1033200/russia-number-of-rape-offenses/

[84] https://worldpopulationreview.com/country-rankings/divorce-rates-by-country